ZAUQ-E-TAHQEEQ
www.Zauq-e-Tahqeeq.com
editor@zauq-e-tahqeeq.com
ISSN PRINT: 2789-8776
ISSN ONLINE:2789-8784
Volume.6,Issue No.3 (2024)
(July to September)

سماجی شعور کے تناظر میں اُردو ناول "جل بھی چکے پروانے" کا تجزیاتی مطالعہ

Analytical study of the Urdu novel "Jal Bhi Chuke Parwane" in the context of social consciousness

سیدہ فرح امیر
پی ایچ۔ڈی اسکالر اُردو، نیشنل یونی ورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد
ڈاکٹر نازیہ ملک
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، نیشنل یونی ورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

Syeda Farrah Amir
Ph.D Scholar, Department of Urdu, NUML, Islamabad
farahnaveed337@gmail.com
Dr. Nazia malik
Assistant Professor, Department of Urdu, NUML, Islamabad
nmalik@numl.edu.pk

Abstract:
There was no place for fanaticism and violence in the society and that the miscreants involved in such acts did not belong to any religion, caste, or creed. "Such people are the worst of humanity and do not represent any folk". Priyantha Diyawadana was a professional person and that the personal vendetta on part of some laborers in the grip of alleged religious tilt led to the lynching and torching.Aani Malik is a poet, columnist, fiction writer and literary critic. Her published novel "Jal bhi Chuke Parwany" is the voice of humanity. She has proved in the light of Quran and Sunnah that Islam is a religion of peace and harmony. Rights of minorities are guaranteed in Islam. She has described this subject in her novel in very eloquent and lucid manner and termed the unjust killing of any human being as the murder of humanity. This novel is not a religious book but it is a preaching of humanistic theory in a literary way.

Keywords: Fanaticism, miscreants, Priyantha Diyawadana, humanity, eloquent, murder of humanity, humanistic theory

عینی ملک کا تعارف:

عینی ملک کا اصل نام عالیہ ہے۔عینی کے والد ملک محمد خالد ایک گورنمنٹ اسکول کے پرنسپل تھے۔عینی سیالکوٹ کی رہنے والی ہیں۔اُنھوں نے انگریزی میں ایم۔فل کیا۔ان کی پہلی کتاب ستمبر ۲۰۲۱ء میں شائع ہوئی جس میں ان کی بچپن کی نظم "اے کاش" بھی شامل تھی۔عینی ملک ایک معروف افسانہ نگار، شاعرہ، نثر نگار، کالم نگار، نقاد، ناول نگار اور تبصرہ نگار ہیں۔ان کا یہ پہلا ناول تھا جس کو بہت زیادہ پذیرائی ملی۔اُنھوں نے غریب بچوں کی تعلیم پر بہت کام کیا ہے۔ان کو متعدد ایوارڈز اور سرٹی فیکیٹس بھی ملے ہیں۔اُنھوں نے بہت سے ادبی رسائل اور میگزینز میں بھی لکھا ہے۔ان کی شخصیت اور فن پر کئی انٹرویوز شائع ہو چکے ہیں۔ آن لائن بھی ان کی

تخلیقات ویب سائٹس میں موجود ہیں۔ اُنھوں لوگوں کے دُکھ درد کو محسوس کیا ہے۔ اُنھوں نے فرقہ واریت اور مذہبی جماعتوں کی وجہ سے معاشرے میں تقسیم کی مذمت کی ہے اور اس کے بارے میں قلم کا سہارا لے کر دنیا کو باور کرایا ہے۔ اپنی تحریروں سے سماج میں لوگوں کے اندر شعور اجاگر کرنے کی کوشش کرتی رہتی ہیں۔ ان کے اندر اس قسم کا دکھ لاوا بنتا جارہا تھا اس واقعے کے رونما ہونے پر اُمڈ پڑا جو کہ ناول "جل بھی چکے پروانے" صورت میں قاری کے ہاتھ میں آیا۔ اُنھوں نے معاشرتی و سماجی مسائل پر لکھ کر اس کارِ خیر میں حصّہ ڈالا ہے۔

شاعر اور مصنف معاشرے کے بہت احساس طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ وہ لوگوں میں اپنی لکھی ہوئی مختلف تحریروں سے معاشرے میں پھیلنے والی برائیوں سے روشناس کراتے رہتے ہیں۔ عینی ملک نے اپنے ناول کے ذریعے ایک سچا سبق آموز واقعہ لکھا جو ہر قدم پر اقلیتی مسائل اور انسانی اعمال کے لیے مشعل راہ ہے۔ اُنھوں نے عیسائی خاندان اور بدھ مت کے پیروکار کی داستانِ المناک بیان کی ہے۔ جو مذہبی دہشت گردی کا شکار ہوئے۔ اُنھوں نے اس ناول کے ذریعے یہ سوالات اٹھائے ہیں کہ یہ کہاں کا اصول ہے کہ اپنے ذاتی دشمنی کی آڑ میں ایک معصوم انسان کو مار دیا جائے۔ ان مذہبی ٹھیکے داروں سے سوال ہے کہ قرآن یا سنت میں کہاں لکھا ہے کہ بغیر تحقیق کیے دوسروں کے کہنے پر زندہ جلا دیا جائے۔ قرآن میں تو ہے کہ "ایک انسان کو بچانا پوری انسانیت کو بچانا ہے اور ایک انسان کو مارنا پوری انسانیت کو مارنا ہے"۔ یہ ناول مقصدیت کے لحاظ سے ایک قابلِ ستائش تخلیق ہے۔ اس ناول کو لکھنے کے لیے عینی کو کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا کیوں کہ انھوں نے اصل میں اس فیکٹری میں جانے کی اجازت بڑی تگ و دو سے لی۔ اس کے علاوہ نیوز، انٹرنیٹ اور پریانتھا کی بیوہ سے بھی بات چیت کی اس کی ذاتی زندگی کو جانا۔ یہ ناول نا صرف پاکستان میں بل کہ بیرونِ ممالک میں انگریزی زبان میں بھی ترجمہ ہوا ہے۔ عینی ملک کے ناول کے بارے میں ڈاکٹر مقصود جعفری لکھتے ہیں:

> "عینی ملک نے اپنے ناول میں ایک عیسائی خاندان اور ایک بدھ مت کے پیروکار جو کہ کہانی کا ہیرو ہے کی داستانِ المناک بیان کی گئی ہے۔ یہ لوگ مذہبی دہشت گردی کا شکار ہوتے ہیں۔ مذہب کے نام پر انسانوں کو زندہ جلانا کہاں کا مذہب ہے؟ یہ وہ سوال ہے جسے عینی نے اس ناول میں اُٹھایا ہے۔ محترمہ اُن نام نہاد مذہبی جماعتوں کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتی ہیں جو مذہب کا نام استعمال کر کے مذہبی دہشت گردی پیدا کر رہی ہیں اور معصوم لوگوں کے خون سے ہولی کھیل رہی ہیں۔ یہ ناول مقصدیت اور افادیت کے لحاظ سے ایک قابلِ صد ستائش تخلیق ہے جو معاشرے میں امن و امان اور انسانی اقدار اور انسانی حقوق کا آئینہ دار ہے۔"(۱)

اس ناول کا مرکزی کردار ایک سری لنکن منیجر جس کا اصل نام (Priyantha Kumara Giyawarga) تھا لیکن ناول میں اس کا نام دیوتا کمار تھا۔ اس کو ان لوگوں نے اپنی ذاتی دشمنی کا نشانہ بنایا جو خود حرام خور، جنسی بد فعلی کے مرتکب، کام چور اور ہڈ حرام تھے اور ان کو وہ مرتے دم تک ان غلط کاموں سے منع کرتا رہا۔ انسانیت سے خالی ان لوگوں کا کوئی مذہب نہیں ہوتا۔ یہ لوگ صرف اور صرف اپنے مفاد کی خاطر وہ سب کچھ کرنے کو تیار ہوتے ہیں جس سے کسی کی جان بھی چلی جائے ان کو پرواہ نہیں ہوتی۔ یہ ناول ان سوئے ہوئے بے ضمیروں کو جگانے کے لیے ہے جو ایسے واقعات کو ہونے دیتے ہیں یا ان کی روک تھام کے لیے کوئی قدم نہیں اٹھاتے۔ اس ناول کے بارے میں چیئرمین انٹلکچول فورم پاکستان کے چیئرمین ایف ایم نیوز محمد ادریس ناز لکھتے ہیں:

"سانحہ سیالکوٹ گزر چکا۔ عام آدمی کے لیے تاریخ کا حصّہ بن چکا، مگر عینی ملک کے لیے وہ آج بھی اور آنے والے کل بھی ایک قیامتِ مسلسل ہے۔ وہ اس سانحے سے نکل نہیں پا رہیں، اس لیے انھوں نے ایک بار پھر "کتھارسس" کے لیے قلم و قرطاس کا سہارا لیا ہے اور یوں "جل بھی چکے پروانے" منصّۂ شہود پر آچکی ہے۔ مجھے امید ہے کہ معاشرے کے سوئے ہوئے ضمیر کو جھنجھوڑنے کے لیے کافی ہو گی۔"(۲)

عینی ملک نے سب سے پہلے شاعری کی اور ان کا مجموعہ "اے کاش" اس وقت شائع ہوا جب وہ تقریباً بارہ سال کی تھیں۔ اُنھوں نے اُردو کے ساتھ ساتھ انگریزی میں بھی لکھا۔ وہ احساس خاتون ہیں اور معاشرے کے مسائل کو اپنی تحریروں کے ذریعے اجاگر کرتی رہتی ہیں۔

ناول "جل بھی چکے پروانے":

عینی ملک نے اس ناول کو لکھتے ہوئے شروع میں کہانی کا آغاز اس انداز سے کیا کہ لگتا نہیں تھا کہ آگے چل کر یہ ناول اس قدر المناک ہو جائے گا۔ اصل میں اس ناول کی کہانی حقیقت پر مبنی تھی لیکن اس کو قاری کے مطابق تھوڑا بہت عشق و محبت کا رنگ دیا ہے۔ عینی چوں کہ خود بھی ایک شاعرہ ہیں تو انھوں نے اس کہانی کی ہیروئن کو بھی شاعرہ دکھایا اور ناول میں بہت سی جگہوں پر نور کو نظم لکھتے ہوئے بتایا ہے جیسے کہ نور کسی کے انتظار میں ہے اور اس کے لیے شاعری کرتی ہے چاند کو دیکھتی ہے اور پھر نظم لکھتی ہے:

"کہاں ہو تم میرے چاند
میرا دل اکیلا ہے
نہیں ممکن امکان اب تیرے آنے کا
یہ دُکھ بھی دل نے جھیلا ہے
نہ جانے کیوں میری پاگل آنکھیں
تیرے دیدار کو ترسیں
میرا تو ایک ہی سہارا ہے
کہاں ہو تم میرے چاند
میرا دل اکیلا ہے"(۳)

ناول کی کہانی میں ہیروئن کا نام درخشاں نور ہے۔ جو کہ ایک متوسط طبقے سے تعلق رکھتی ہے اس کے والد کا انتقال ہو گیا ہے اور اس کی ماں ایک فیکٹری میں کام کرتی ہے۔ ماں کی طبیعت اچانک سے خراب ہو جاتی ہے تو فیکٹری کا منیجر اُن کو اسپتال لے کر جاتا ہے ۔ فیکٹری کا منیجر دیوتا کمار جو کہ اس کہانی کا اہم کردار ہے یا یوں کہیں کہ اس کہانی کا ہیرو ہے۔ دیوتا کمار ایک پڑھا لکھا، سلجھا اور نفیس انسان تھا۔ وہ دس سال سے سری لنکا سے پاکستان آیا ہوا تھا اور اس فیکٹری میں منیجر تھا۔ اس نے اپنی ایمان داری اور محنت سے فیکٹری میں کافی کام کیے تھے۔ وہ فیکٹری میں کام کرنے والے تمام لوگوں کا خیال رکھتا ان کی تمام ضروریات کو پورا کرنے کی کوشش کرتا۔ اسی وجہ سے دیوتا نے نور کی والدہ کو اسپتال داخل کروایا تھا۔

نور پہلی ہی ملاقات میں اس کی گرویدہ ہو گئی تھی اور بادلوں میں چاند کو ڈھونڈنے کے بجائے دیوتا کمار کا سوچ رہی تھی۔ والدہ کی بیماری کی وجہ سے نور فیکٹری میں کام کرنے کی غرض سے منیجر سے ملتی ہے۔ لیکن وہ اس کی تعلیم کی وجہ سے والدہ کی جگہ نوکری پر نہیں رکھتا بل کہ نور کو سپر وائزر کی نوکری دیتا ہے۔ دیوتا کمار سنجیدہ اور سلجھا ہوا شخص تھا وہ کام کے وقت کام کو ترجیح دیتا تھا۔ گھر میں اس کے ایک نوکر تھا جس کا وہ بہت احترام کرتا تھا جس کو وہ خان بابا کہتا تھا۔ وہی اس کے تمام کام کرتا تھا۔ دیوتا کے دو بیٹے تھے راون اور کشور جن کے ساتھ وہ روز فون پر بات کرتا اور اپنی بیوی ٹینا سے بھی بہت محبت کرتا تھا۔ دیوتا کمار بدھ مت تھا۔ خان بابا مسلمان تھا وہ یہ سوچتا تھا کہ ہمارے مذہب کی باتوں پر تو یہ لوگ عمل کرتے ہیں۔ خان بابا سوچتا ہے:

> "ہمارا مذہب جو ہمیں سکھاتا ہے عمل تو اصل میں یہ لوگ کر رہے ہیں۔ ہم تو مذہب کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال کر رہے ہیں۔ ہم اسلام میں اس بات پر عمل کرتے ہیں جس پر عمل کر کے ہمیں فائدہ حاصل ہو۔ ہمیں پتہ ہے کہ سور کا گوشت کھانا حرام ہے مگر ہم اس بات کو بھول جاتے ہیں ہم اسلام کے اور بہت سارے احکام کو نظر انداز کر جاتے ہیں۔ نماز نہیں پڑھتے، روزہ نہیں رکھتے، سچ نہیں بولتے، والدین کے ساتھ برتاؤ نہیں کرتے، غریب رشتہ داروں کا خیال نہیں رکھتے، ہمسائیوں کے گھر آج کچھ کھانے کے لیے پکا ہے یا وہ بغیر کھانا کھائے سو گئے، ہم یہ جاننے کی کوشش ہی نہیں کرتے۔ اصل میں تو مذہب ہمیں نہیں ہم مذہب کو اپنے مقاصد کے لیے چلا رہے ہیں۔"(۴)

عینی ملک نے ناول کی کہانی کو اس انداز سے آگے بڑھایا کہ جیسے یہ ایک عام سی لڑکی اور ایک آدمی کی خاموش محبت ہے جو صرف ابھی دل اور آنکھوں تک محدود ہے جس کو الفاظ کے پیراہن نصیب نہیں ہوئے۔ دیوتا کمار بھی نور کے بارے میں اکیلے بیٹھے ہوئے سوچتا ہے اس کی سحر انگیز آنکھوں کے جادو میں کہیں گم ہوتا ہے۔

"مخمور آنکھیں
دل نشین آنکھیں
صبح کی پہلی کرن وہ آنکھیں
حیا کی تسبیح پڑھتی آنکھیں
لفظوں کو دیتی ہیں وہ زبان آنکھیں
نیند سے بوجھل
خوشی سے عاری
پھر بھی چمکتی اور
ہنستی ہیں آنکھیں"(۵)

انھی خیالوں میں دیوتا کمار کھویا ہوا تھا کہ اچانک نور اس کے آفس میں آتی ہے۔ اب اصل کہانی کا رخ اس کے بعد تبدیل ہوتا ہے جس مقصد کے لیے عینی نے قلم اور قرطاس اٹھائے تھے۔ نور دیوتا کے پاس آتی ہے کہ فیکٹری میں کام کرنے والی دو بہنیں نائمہ اور عائقہ کو عاصم اور عابد اور ان کے ساتھی فیکٹری آتے جاتے تنگ کرتے ہیں۔ دیوتا کو یہ سن کر بہت غصّہ آیا اس نے نور کو تو واپس

بھیج دیا لیکن عاصم اور اس کے ساتھیوں کو فیکٹری سے نکال دیا۔ یہاں پر عینی نے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ ایک آفسر کو کیسے ہونا چاہیے اور اپنے ماتحت لوگوں کے ساتھ انصاف کیسے کرنا چاہیے؟ مرد اور عورت کے مقام کو بھی واضح کیا کہ کوئی بھی عورت ہو اس کی عزت کرنا لازم ہے۔ جیسے کہ وہ نور کو بلا کر کہتا ہے:

> "میں نے عاصم اور عابد کے ساتھ تین مردوں کا پتہ لگا لیا ہے اور ابھی ابھی میں نے ان کو نوکری سے نکال دیا ہے۔ ہماری فیکٹری میں کسی بھی ایسے مرد کی جگہ نہیں جو عورت کی عزت کرنا نہیں جانتے۔ ہمارا معاشرہ عورت کی عزت کو مقدم تب تک نہیں سمجھے گا جب تک ہم اس کے لیے سخت قانون نہیں بنائیں گے۔"(۶)

نور اس کی باتوں سے بہت متاثر ہوئی اور سوچنے پر مجبور ہو گئی کہ جس کی یاد میں وہ چاند کو دیکھتی تھی شاید وہ یہی ہے۔ ادھر دیوتا بھی نور کے بارے میں ہی دل ہی دل محبت کو محسوس کرنے لگتا ہے۔ عینی اس لازوال محبت کا ذکر کرتے ہوئے یہ نہیں بھولیں کہ لڑکی مسلمان ہے اور آدمی شادی شدہ اور بدھ مت ہے ان کے مسلک و مذہب کو بھی ساتھ ساتھ لے کر چلیں یہ ایک لکھاری کا سب سے بڑا ہنر ہوتا ہے کہ کہانی کے تمام پہلوؤں کا احاطہ ایک ساتھ کرے۔ نور آلو قیمہ لے کر آتی ہے اور دیوتا کو کھانے کے لیے دیتی ہے۔ اس موقع پر مصنفہ نے بڑے ہی خوب صورت انداز سے مکالمہ لکھا:

> "پر نور در خشاں!"
>
> دیوتا نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔
>
> "میں تو vegetarian ہوں۔"
>
> "او نو!" نور در خشاں کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور جیسے اس کا دل ٹوٹ گیا ہو۔ ڈبے کا ڈھکن بند کرتے ہوئے شرمندہ ہوئی۔
>
> دیوتا نور کا شرمندہ ہونا سمجھ گیا۔
>
> وہ اس کی معصوم سی خواہش کو رد نہیں کرنا چاہتا تھا چناں چہ اُس نے کہا چلیں ایک کام کرتے ہیں آلو میں کھا لیتا ہوں اور قیمہ آپ کھالیں۔"
>
> نور کی خوشی کی انتہا نہ رہی کس قدر پیارا انسان ہے یہ!"(۷)

اس جگہ پر نور کو یہ احساس ہوتا ہے کہ وہ محبت میں گرفتار ہو چکی ہے پر اپنے مذہب، رنگ، نسل اور خاندان سے دغا نہیں کر سکتی۔ یہی کیفیت دیوتا کی بھی ہوتی ہے۔ مصنفہ نے اس لاحاصل محبت کے ساتھ اپنے اسلامی اقدار کو بھی نہیں چھوڑتی۔ مصنفہ نے اس کہانی میں صرف سری لنکن کے ساتھ ہونے والے واقعے کو ہی نہیں بیان کیا بل کہ عیسائیوں کے اوپر ہونے والے ظلم پر بھی آواز بلند کی ہے۔ اس کا بھی واقعہ ایسے ہی تھا کہ نام نہاد مسلمانوں نے عیسائیوں کی پوری بستی کو نذرِ آتش کر دیا تھا۔ خان بابا چھٹی لے کر اپنے گاؤں جاتے ہیں تو ان کے گاؤں کا منظر تو کوئی اور ہی کہانی بیان کر رہا ہوتا ہے وہ لوگوں سے پوچھتے ہیں کہ کیا ماجرہ ہے یہ بستی کیسے جلی تو ان کے قریبی دوست یار محمد ان کو ساری صورت حال بیان کرتا ہے کہ قریبی اسکول کے باہر عیسائی شکر قندی بیچتا تھا اس کو بچے اپنی پرانی کتابیں اور کاپیاں دے دیتے تھے جس میں وہ شکر قندی رکھ کر دیتا تھا۔ جس کاغذ پر اللہ رسول کا نام ہوتا وہ ایک ڈبے میں ڈال دیتا ایک دن اس کے بیٹے کی شادی تھی بچے وہ ڈبہ اُٹھا کر گلی میں لے آئے اور ان کاغذ کے ٹکڑوں کو مزید ٹکڑے کر کے پیسے بنا کر پھینکنے لگے۔ کچھ بد الحاظ

نے شراب پی کر لڑکیوں کو چھیڑا اور ان کے دوپٹے اتارے، عورتوں کی بے حرمتی کی اور جب انھوں نے شکایت کی تو فصیل کے گھر کے ساتھ سترہ گھروں کو آگ لگادی، سب کو عیسائیت کے نام پر مولویوں نے فتویٰ دے دیا۔ فصیل کے گھر کو آگ لگائی جس میں اس کا باپ جل کر مر گیا۔ بڑا ظلم ہوا۔ خان بابا نے یہاں پر قرآن کی آیت اور اس کا ترجمہ پڑھا۔ مصنفہ نے قرآن اور حدیث کو بھی مناسب جگہ پر شامل کیا ہے جہاں پر ضرورت سمجھی قرآن کا حوالہ بھی دیا جس طرح اس پیرائے میں خان بابا قرآن کی سورت المائدہ کی آیت ۳۲ کا ذکر کرتے ہیں کہ

> "جس نے کسی دوسرے کو قصاص کے بغیر یا زمین میں فساد پھیلانے کے لیے یا کسی اور وجہ سے قتل کیا تو گویا اس نے ساری انسانیت کو قتل کیا۔"(۸)

اس پورے واقعے کو مصنفہ نے اس طرح بیان کیا کہ اس پر داد دینی پڑتی ہے کہ ان بے ضمیروں اور مذہب کے ٹھیکدار مولویوں کو نشانہ بنایا کہ وہ خود کیا کرتے ہیں اور جب ان کے خلاف کوئی غریب لب کشائی کرتا ہے تو اس کو عبرت ناک سزا دیتے ہیں تاکہ آئندہ کوئی ان کے خلاف نہ بول سکے۔ مصنفہ نے اپنی تحریر میں قرآنی آیات اور ان کے ترجمے بھی کیے تاکہ جس قاری کو عربی نہیں پڑھنی آتی یا سمجھ نہیں سکتا وہ ترجمہ پڑھ کر سمجھ لے گا۔ جیسے کہ

> خان بابا نے پُرنم آنکھوں سے قرآن کی آیت پڑھی
> "مذہب میں کوئی جبر نہیں" سچائی غلطی سے واضح ہے (قرآن ۲۵۶/۲)

خان بابا فصیل کے گھر جاتے ہیں وہ روتا ہے اور خان بابا اپنے ایسے مسلمان ہونے پر شرمسار ہوتے ہیں جو کسی ناحق کے لیے کچھ نہیں کر سکتے۔ ان کو حدیث شریف یاد آتی ہے۔

> "جہاں کہیں ظلم ہوتا دیکھو تو اُسے ہاتھ سے روکو اگر ہاتھ سے روکنے کی ہمت نہیں تو زبان سے روکو اور اگر زبان سے روکنے کی بھی ہمت نہیں تو دل میں بُرا کہو اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔"(۱۰)

عینی ملک نے اپنے ناول میں عیسائیت اور بدھ مت کی مظلومیت کو اجاگر کیا کہ پاکستان جس میں تمام مذاہب کے لیے آزادی ہے اور اسی لیے یہ ملک معرضِ وجود میں آیا تھا اور اس کے جھنڈے میں سفید رنگ اقلیتوں کی نمائندگی کرتا ہے۔ پھر بھی اس ملک میں ظلم اور بدخصلت لوگ اپنے مفاد کے لیے مذہب کو بنیاد بنا کر ظلم کی انتہا کر دیتے ہیں۔

دیوتا فیکٹری کی میٹینگ بلاتا ہے جس میں وہ حامد اور رضوان کو روک لیتا ہے جو goods سپلائی کے شعبے میں تھے انھوں نے مال میں خرد برد کیا ہوا تھا۔ اس پر دیوتا ان پر غصّہ ہوتا ہے اور ان کو فیکٹری سے نکال دیتا ہے کیوں کہ وہ خود ایک ایمان دار انسان تھا بے ایمانی اس سے برداشت نہیں ہوتی تھی۔ اس پر حامد اور رضوان اس مشن پر لگ جاتے ہیں کہ اس بے عزتی کا بدلہ لیں گے اس سری لنکن کو فیکٹری سے نکال کر ہی دم لیں گے۔ مصنفہ نے معاشرے میں ان بھیڑیوں کا ذکر کیا کہ کس طرح ان کے دل میں بدلے کی آگ بھڑک رہی ہے۔ ادھر ایک صاف دل کا آدمی ہے جو دل میں لوگوں کی مدد کر رہا ہے یہ سوچے بغیر کہ وہ مسلمان ہیں یا کسی اور مذہب کے ہیں۔ ایک اچھے انسان کے اوصاف بھی بتائے کہ ایک ایسا انسان جو دوسرے ملک میں آکر ان کی مدد کر رہا ہے بنا یہ سوچے کے مجھے کیا ضرورت ہے کسی مسلمان کی ضرورت کو پورا کرنے کی۔ مصنفہ نے بدھ مت کی تاریخ کا جس طرح ناول میں ذکر کیا اس سے ان کی

علمی وابستگی کا اندازہ ہوتا ہے۔ بدھ لفظ کا سنسکرت میں کیا مطلب ہے۔ دنیا میں بڑے مذاہب میں اس کا شمار ہوتا ہے۔ گوتم بدھا کون تھے؟ یہ مذہب کب اور کس طرح پھیلا؟

یہ بھی بتایا کہ سب مسلمان غلط نہیں ہیں نہ ہی دہشت گرد ہیں یہ چند لوگ ہیں جن کی وجہ سے اسلام کو بدنام کیا جاتا ہے۔ غیر مسلم اسلام کو امن کا مذہب جان کر ہی مسلمان ہوتے ہیں جس طرح اس ناول میں بھی عینی نے لکھا کہ دیوتا اسلام کے بارے میں جاننے کی کوشش کر رہا ہوتا ہے نور سے بھی پوچھتا ہے اور خان بابا سے بھی قرآن کی تعلیمات لے رہا ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ اسلامی تہوار اور ثقافت کا بھی ذکر کرتے ہیں۔ ربیع الاول کا مہینہ تھا اور ہر طرف میلاد کی خوشی میں پوسٹر لگائے جا رہے تھے۔ فیکٹری کے اندر باہر سب جگہ پر پوسٹر لگا دیے گئے۔ یہ سب کاروائی حامد اور رضوان کی تھی جو اس کو بنیاد بنا کر ہی دیوتا کو نقصان پہنچا سکتے تھے۔

دیوتا ان دنوں بیمار تھا اس لیے فیکٹری نہیں جا رہا تھا اس کا فائدہ اٹھا کر حامد اور رضوان نے تمام پوسٹر کو دیوتا کے آفس میں کوڑے دان میں پھینک دیے اور جب دیوتا آیا تو اس سے پہلے حامد، رحمان اور رضوان نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر اس پر حملہ کر دیا۔ وہ چیختا رہا اپنی بے گناہی کی دوہائیاں دیتا رہا لیکن مذہب کے نام نہاد ٹھیکے داروں نے ایک نہ سنی اور اس کو ڈنڈے، پتھر مارتے رہے اور اس سے اس کی موت واقع ہو گئی۔ یہاں پر بھی اس مشتعل ہجوم کا غصّہ ٹھنڈا نہ ہوا اس کی لاش پر پٹرول چھڑک کر آگ لگا دی۔ جس سے اس معصوم انسان جس نے کسی کو تکلیف نہیں دی تھی اتنی تکلیف والی موت دی۔

حسد، تکبر، حرص، لالچ اور بدلہ انسان کو اشرف المخلوقات کے درجے سے اٹھا کر پستی میں پھینک دیتا ہے۔ حامد، رحمان، اللہ دیتہ خاکروب، رضوان اور ناجانے کتنے ایسے لوگ ہیں جو اپنے ذاتی مفاد، بغض اور انا کی خاطر دوسروں کی زندگیاں داؤ پر لگا دیتے ہیں۔ بے حس لوگ اس کی جلی ہوئی لاش کے ساتھ سیلفیاں بنا رہے تھے۔ ہمارے ملک کی ساکھ کے لیے یہ ایک تاریک دن تھا۔ مجرم پکڑے گئے ان کو سزا بھی ہو گئی لیکن کیا ایک ایمان دار، ہم درد اور معصوم انسان واپس آ سکتا ہے؟ کیا اس کے بچوں کا شفیق باپ واپس آ سکتا ہے؟ کیا ہمارے ملک کی ساکھ واپس ہو سکتی ہے؟ کیا ہمارے مولوی حضرات جنھوں نے اسلام کا ٹھیکا اُٹھایا ہوا ہے لوگوں کو سیدھا راستہ دیکھا سکتے ہیں؟ یہ اتنے سوالات ہیں جو اس واقع کے بعد سب ذی شعور انسان کے ذہن میں ابھرتے ہیں۔ اس ناول کے تجزیاتی مطالعے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ عینی ملک نے یہ ناول لکھ کر معاشرے پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ یہ ایک غور طلب مسئلہ ہے کہ جب تک ہم اپنے مذہب کو اچھے طریقے سے نہیں سمجھیں گے ہم کوئی فیصلہ صحیح نہیں کر سکتے۔ ہم نے مذہب مولویوں سے لیا جو انھوں نے کہا مان لیا حالاں کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ اور نبی پاک ﷺ نے فرمایا ہے کہ خود تحقیق کرو سنی سنائی باتوں میں نہ آؤ۔ خود سے تحقیق کرنا چاہیے۔ حقیقت جانے بغیر عمل نہ کرو۔ خود دنیا میں پھیرو جانو سمجھو۔ قرآن کو صرف ہم پڑھ لیتے ہیں اس کے ترجمے کو نہیں پڑھتے۔ قرآن عربی زبان میں اُترا ہے ہم عربی زبان کو پڑھ لیتے ہیں لیکن اس کے مطالب سے ناواقف ہیں۔ اس کے علاوہ ہر آیت کے ایک سے زیادہ مطلب ہوتے ہیں۔ یہ نہیں جانتے کہ کون سا فرمان کس لیے ہے۔ سماج کو شعور دلانے کے لیے ایسی تحریریں ہونی چاہیے جس سے عوام کو شعور دلایا جائے کہ جو ہم دیکھ رہے ہیں یا سن رہے ہیں وہ سچ بھی ہو۔ حقیقت جانے بغیر ہمیں کوئی قدم نہیں اُٹھانا چاہیے۔ اس کے علاوہ اگر دیکھا جائے تو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے کہ

"مِنْ أَجْلِ ذٰلِكَ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِي إِسْرَائِيلَ أَنَّهُ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا ۚ وَلَقَدْ جَاءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنَاتِ ثُمَّ إِنَّ كَثِيرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِي الْأَرْضِ لَمُسْرِفُونَ"

ترجمہ: "اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر لکھ دیا کہ بے شک حقیقت یہ ہے کہ جس نے ایک جان کو کسی جان کے (بدلے کے) بغیر، یا زمین میں فساد کے بغیر قتل کیا گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کیا اور جس نے اسے زندہ کیا تو گویا اس نے تمام لوگوں کو زندہ کیا اور بلاشبہ ان کے پاس ہمارے رسول ﷺ واضع دلائل لے کر آئے، پھر بے شک ان میں سے بہت سے لوگ اس کے بعد بھی زمین میں یقیناً حد سے بڑھنے والے ہیں"۔ (سورت المائدہ ۵ / آیت نمبر ۳۲)(۱۱)

اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ ہمیں انسانوں کی حفاظت کرنی چاہیے یہ نہیں دیکھنا کہ وہ مسلمان ہے یا عیسائی بل کہ یہ دیکھنا ہے کہ وہ ایک انسان ہے۔ اگر ہم جذبات میں آکر کوئی انتہائی قدم اٹھالیں اور بعد میں پچھتانا پڑے اس لیے پہلے ہی عقل سے کام لیں اور سوچ سمجھ کر ہر عمل کریں۔ اس سلسلے میں ہمیں بھی اپنے حصّے کی شمع جلانی ہے۔ بُرے کو بُرا، غلط کو غلط کہنے کا حوصلہ پیدا کرنا ہے تب ہی معاشرے میں بہتری آئے گی۔ یوں آنکھیں بند کر لینے سے کبوتر کی طرح کہ بلّی نظر نہیں آرہی اور میں بچ جاؤں گا ایسا نہیں ہوتا ہمیں اپنی آنکھیں کھلی رکھنی ہیں اور ایسے موقع پر ہوش سے کام لینا ہے جذبات اکثر غلط فیصلہ کروا دیتے ہیں۔ ایسے واقعات کی روک تھام کے لیے بڑے اقدام کرنے پڑیں گے۔ اپنے ہاتھوں میں قانون نہ لیں قانون کا کام ہے سزا دینا ہمارا کام صرف نشان دہی کرنا ہے۔ آج کل ایسے واقعات زیادہ رونما ہونے لگے ہیں کیوں کہ ہم اپنے آپ کو مذہب کا ٹھیکے دار سمجھنے لگے ہیں ہر انسان یہ سمجھنے لگا ہے کہ جو وہ کہہ رہا ہے یا کر رہا ہے وہ ہی ٹھیک ہے اور باقی سب غلط ہیں۔ ایک دوسرے کی بات کو برداشت نہیں کر رہے۔ بات بات پر ایک دوسرے کو مارنے پر آجاتے ہیں۔ میں سمجھتی ہوں کہ دورِ حاضر میں ایسی کہانیاں لکھنی چاہیے۔ عینی نے بہت ہمت اور جرات کا کام کیا ہے۔ ہمارے مہذب معاشرے کے مہذب لوگ ایسے مسائل کو اجاگر کریں تاکہ عوام کی سوچ میں تبدیلی آئے اور ہم ایک بہتر معاشرے کو پروان چڑھا سکیں۔

حوالہ جات

۱۔ عینی ملک، جل بھی چکے پروانے، ٹی اینڈ ٹی پبشلرز، سمن آباد، لاہور، ۲۰۲۲ء، ص ۶

۲۔ ایضاء ص ۸

۳۔ ایضاء ص ۲۹

۴۔ ایضاء ص ۴۱، ۴۰

۵۔ ایضاء ص ۴۳

۶۔ ایضاء ص ۴۶

۷۔ ایضاء ص ۵۳

۸۔ ایضاء ص ۷۲

۹۔ ایضاء ص ۷۲

۱۰۔ ایضاء ص ۷۳

۱۱۔ قرآن مجید، سورت المائدہ ۵، آیت نمبر ۳۲

References in Roman Script:

1. Aini Malik, Jal Bhi Chuky Parwanay, T And T Publishers, Samnabad, Lahore, 2022. P:2
2. Abid, p:8
3. Abid, p:29
4. Abid, p:40/41
5. Abid, p:43
6. Abid, p:46
7. Abid, p:53
8. Abid, p:72
9. Abid, p:72
10. Abid, p:73
11. Quran Majeed, Surat Almaida 5, Aayet No.32